ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE: 2789-8784

ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com

ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.6,Issue No.3(2024)
(January to March)

پاکستانی تصوف میں رائج تصورات کی توضیحِ نو میں سرفراز اے شاہ کا کردار

Sarfraz A. Shah's Role in Reinterpreting Popular Concepts of Pakistani Sufism

ڈاکٹر محمد محسن خالد (محسن خالد محسنؔ)

لیکچرار، شعبہ اُردو، گورنمنٹ شاہ حسین ایسوسی ایٹ کالج، لاہور

ڈاکٹر نازیہ سحر

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، اسلامیہ کالج یونیورسٹی، پشاور

Dr. Muhammad Mohsin (Mohsin Khalid Mohsin)

Lecturer, Department Of Urdu, Govt. Shah Hussain Associate College, Lahore

Dr. Nazia Sahar

Assistant professor, Department of Urdu, Islamia College University, Peshawar

Abstract:

This paper discusses the popular concepts of Sufism practiced in Pakistan. In Pakistan, the scientific application of the concepts related to Sufism is prevalent within the monasteries of Sufism. The origin, fallacy, and significance of these concepts in the present era have been critically highlighted in this paper. Also, what are the principles of Sufism mentioned in the works of Syed Sarfaraz A. Shah, what changes have taken place in Pakistani Sufism, and what is the role of Syed Sarfaraz A. Shah in this trend of re-interpretation and the importance of this role in Sufism? And what is individuality? This has also been highlighted in detail in the paper. This paper is a new addition to the themes of Sufism in its nature and purpose.

Key words: Sufism, spirituality, behaviour, knowledge, Pakistan, subcontinent, saints, Multan, Lahore, Punjab, Ilm Ladni, Kashf, shrines, Urs

پاکستان میں اس وقت جو تصوف رائج ہے، وہ اس قدر مہلک اور سنگین صورتحال اختیار کر گیا ہے کہ اس کے بارے میں کچھ بھی پڑھ، سُن لیا جائے، تشنگیِ آگہی کا احساسِ زیاں باقی رہتا ہے۔ تصوف قیامِ پاکستان سے بہت پہلے برصغیر میں رائج تھا۔ برصغیر میں اسلام کی آمد کے حوالے سے مورخین کے ہاں تسلسل سے یہی روایت ملتی ہے کہ "برصغیر میں اسلام صوفیا نے پھیلایا"[۱]۔ برصغیر میں صوفیا کی پے در پے آمد سے اسلام کو یہاں مستقل اقامت و پذیرائی نصیب ہوئی۔ "برصغیر میں ہندومت ہزاروں برس سے موجود تھا اور ہنوز موجود ہے"[۲]۔ اس کے علاوہ بیسویوں دیگر مذاہب کے پیروکار اس خطے میں آباد ہیں جن کے ماننے والے اپنے اپنے طریق سے خدا کے گیان کی تلاش و جستجو میں سرگرداں ہیں۔

پاکستان بننے کے بعد یہاں صوفیا کی گدیوں پر سیاست معمول بن گئی۔ اشرافیہ، وڈیرے اور لُٹریے خاندانوں نے ان پر قبضہ کیا۔ اس لوٹ کھسوٹ کا جملہ احوال تاریخ کے اوراق میں درج ہے جسے پڑھا لکھا، شعور رکھنے والا اور تصوف کی مبادیات کو سے آشنا یہ جانتا ہے کہ مشہورِ زمانہ صوفیا کی درگاہوں کی نشست کو لے کر کس قدر خون بہایا گیا ہے اور اس مقصد کے لیے کیسے کیسے مذموم ہتھکنڈے استعمال کیے گئے ہیں۔ پاکستان کے جملہ اطراف و اکناف میں صوفیا کے مزارات موجود ہیں جن کے مجاور؛ ان درگاہوں سے

روزانہ لاکھوں روپے بٹور رہے ہیں اور عملی کارکردگی اور دینی و متصوفانہ خدمات صفر بٹا صفر ہیں۔ ان درگاہوں میں جانے سے دُنیاوی تفکرات سے طبیعت اوجھل ہونے کی بجائے یہاں کے نظامِ مادیت کو دیکھ کر اچنبھا ہوتا ہے کہ مزار میں آرام کرنے والی شخصیت کی سوانح و کتب اور ملفوظات میں کیا لکھا ہے اور ان کی گدی پر بیٹھ کر پیر؛ بنا یہ بندہ اپنے اشغال و افعال سے کیا پیش کر رہا ہے۔

تصوف کی تاریخ ہزاروں برس پرانی ہے۔ "سیاسی اعتبار سے برصغیر میں مسلمانوں کی آمد محمد بن قاسم کی آمد سے مشروط ہے جبکہ صوفیا اس سے قبل برصغیر میں دین کی اشاعت کے لیے گاہے گاہے آتے رہے ہیں"[۳]۔ ان صوفیا کا مقصد دین کی صحیح تعبیرات کی توضیح کرنا تھا؛ جس میں یہ کامیاب ٹھہرے۔ اس مقالہ میں صوفیا کے کسی گروہ، مسلک، فرقہ اور تقلیدی اساس کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا گیا بلکہ اس مقالہ میں پاکستان میں اس وقت موجود تصوف کی صورتحال پر ناقدانہ بحث کرتے ہوئے سید سرفراز اے شاہ کی اس پُر فتن اور بے عمل دور میں متصوفانہ تصورات کی توضیحِ نو کی خدمات کا ذکر کیا گیا ہے۔

پاکستان میں تصوف کی موجودہ صورتحال انتہائی مخدوش ہے۔ اس کی وجہ دین سے دوری اور عملی جہد سے ناآشنائی ہے۔ پاکستان میں تصوف کے کئی سلاسل موجود ہیں جن کے اپنے اپنے تصورات اور مبادیات ہیں جن کو سمجھنا اور ان پر عمل پیرا ہونا انتہائی مشکل اور گنجلک کام ہے۔ تصوف کیا ہے اور تصوف کی مبادیات کیا ہیں اور تصوف انسانی زندگی میں کیا کردار ادا کرتا ہے۔ اس پر سیکڑوں کتب لکھی جا چکی ہیں اور ہزاروں مقالات و مضامین میں اس کی تشریح و توضیح کی جا چکی۔ ہے اس لیے یہاں تصوف کی تعریف ،پس منظر اور تاریخ کو بیان کرنا موزوں نہیں ہے۔ پاکستان میں اس وقت تصوف کی موجودہ صورتحال کے حوالے سے دیکھا جائے تو پنجاب میں سب سے زیادہ متصوفانہ درگاہوں سے متصل مسائل سامنے آ رہے ہیں۔ صوفیا کی درگاہوں پر قابض یہ گدی نشین مادہ پرستی، مفاد پرستی اور جانے کیا کیا پرستشانہ تصورات کو رائج اپنی اپنی دُکان کھول کر بیٹھے ہیں۔ مزے کی بات یہ ہے کہ ان کا کھوٹا سکہ بھی اصل سے زیادہ بازار میں چلتا ہے اور ان کا بھوسہ بھی چار گُنا مُول کے بھاؤ بکتا ہے۔

یہ گدی نشین حضرات اپنے باپ دادا کی قبور پر برس ہا برس سے قابض ہیں جبکہ قولی، فعلی اور عملی لحاظ سے تصوف سے ان کی شناسائی دور، دور تک دکھائی نہیں دیتی۔ ان درگاہوں میں عالی شان محلات بنے ہی؛ں جہاں سیکڑوں مریدین کے بچے نوکروں چاکروں کی حیثیت سے پڑے خدمت میں ہمہ تن مصروف ہیں۔ انگریزوں نے انھیں سیکڑوں مربعہ جات زمینیں الاٹ کی تھیں جن سے ہر سال کڑوروں کی آمدنی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ان بزرگوں سے فیض پانے والے شُرفا نے بطور عنایت جاگیریں، زمینیں اور دیگر مالی مفادات کے ذرایع مستقل طور پر ان گدیوں کو منسوب کیے جن سے ان بزرگوں کی بے عمل، ناہنجار اور شریعت و طریقت سے عاری اُولادیں عیاشی کر رہی ہیں اور کوئی پوچھنے والا اور احتساب کرنے والا نہیں ہے۔

پاکستان میں تصوف کے جملہ تصورات کے بارے میں جو تعبیرات ملتی ہیں وہ ایک طلسمی گورکھ دھندہ ہے۔ تصوف کے تصورات کے بارے میں خواجہ فریدالدین عطار کی **تذکرہ اولیا** سے لے کر علی عثمان ہجویری کی **کشف المحجوب** تک جن تعبیرات کا ذکر ملتا ہے وہ بعنیہ اسلام کی تعبیرات سے متصادم و متضاد ہونے کے باوجود اپنے اندر صداقت کا پہلو لیے ہوئے ہیں۔ پانچویں صدی ہجری سے لے کر قیامِ پاکستان تک صوفیا کی جملہ تصنیفات و مفلوظات کو اُٹھا کر دیکھ لیجیے۔ ان میں معروف چاروں مسالکِ تصوف یعنی قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی سمیت معمولی عملی اطلاق کے نفاظ کے علاوہ وحدانیت و رسالت کا ایک ہی دھارا بہتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

"راہِ سلوک کی منزل پر ایک مرید اپنے مرشد کی راہنمائی میں **فنافی الشیخ** سے **فنافی الرسول** تک پہنچتا ہے اور پھر **فنافی اللہ** کی منزل کو پالیتا ہے"[۴]۔ تصوف کے ان مدراج کی ترتیب کو کسی متصوفانہ مسلک یا فرقے نے ہنوز تبدیل نہیں کیا۔ ورود و ظائف اور چلہ

کشی کے طریقے میں فرق ہو سکتا ہے۔ عبادت و ریاضت اور گیان و دھیان کے طُرق میں اختلاف ہو سکتا ہے تاہم شریعتِ محمدی کے عملی اطلاق میں ہیجان انگیز کوئی اختلاف تاحال موجود نہیں ہے۔

پاکستان میں مدفون صوفیا کی درگاہوں میں آج جو کچھ ہو رہا ہے؛ اُس کے ذمہ دار یہ مدفون بزرگ ہر گز نہیں ہیں بلکہ ان بزرگان کی گدیوں پر بیٹھے ان کے خلفا اور جانشین ہیں جنھوں نے اپنے بزرگوں کی تعلیمات کو پسِ پُشت ڈال کر دُنیا داری کے جملہ سامان کے حصول کی ہوس میں خود کو اس قدر مبتلا کر لیا کہ مریدین کے جملہ دینی اعتقادات کو نہ صرف بُری طرح مسخ کیا بلکہ انھیں نہ دُنیا کا رہنے دیا اور نہ ہی دین کا۔ دُھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا والا معاملہ ہو گیا ہے۔ پاکستان میں مدفون بزرگانِ تصوف نے راہِ سلوک کے طُرق کو استعمال میں لاتے ہوئے دینِ محمدی یعنی شریعتِ محمدی پر عمل پیرا ہونے کا جو ڈسکورس دیا تھا وہ سب کا ملا جلا اور ایک سا تھا۔ کہیں کہیں تعبیر اور اس کی توضیح میں معمولی اختلاف تھا تاہم مقصد ایک ہی تھا اور جذبہ بھی ایک ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی پہچان کیسے ہو اور اس کے پیغمبر نے جو دین سکھایا ہے؛ اس پر عمل پیرا ہو کر رب اور اس کے رسول کا محبوب اور مقبول بندہ کیسے بنا جائے۔ رب تعالیٰ نے اپنی منشا کو قرآن میں مفصل بیان کر دیا ہے۔ رب تعالیٰ اپنے بندے سے کیا چاہتا ہے اور بندے پر رب تعالیٰ کی طرف سے کون سے احکامات ہیں جن کی عمل داری کرنا بندے پر لازم ہے۔ یہ سب کچھ شریعتِ محمدی میں لکھا جا چکا، بتایا اور سمجھایا جا چکا ہے۔ اس میں نہ کوئی نقص ہے اور نہ کوئی ابہام۔

تصوف شریعتِ محمدی کی اسی تعبیر کا ایک پیرلل نظام ہے جسے صوفیا میں برصغیر میں رائج کیا۔ اس نظامِ بندگی سے متاثر ہو کر ہزاروں غیر مسلم نے دینِ اسلام قبول کیا اور آج لاکھوں کی تعداد میں ان کی اولادیں مشرف بہ اسلام ہیں۔ تصوف کی یہ سب سے بڑی کامیابی اور بقا کی واضح ترین علامت ہے۔ صوفیا کس طرح اپنی زندگی میں دینِ محمدی کے عملی اطلاق کی شرح کرتے تھے اور ان کے نزدیک صوفی ازم کے وہ کون سے پیرامیٹر تھے جن کے ذریعے ایک سالک ذاتِ حقیقی کا عرفان حاصل کرتا تھا۔ تصوف کی مبادیات میں کارفرما ارکانِ تصوف کچھ کی تفصیل سلاسلِ تصوف میں تھوڑے بہت اختلاف کے ساتھ یکساں ہے۔ معروف ارکانِ تصوف یہ ہیں: (ملامت، رضا، سکر و صحو، عزلت نشینی، مجاہدہ و ریاضت، ولایت و کرامت، غیبت و حضور، جمع و تفرقیہ، حلول روح، طہارت، لباس و غذا، ذوقِ سماع، مقاماتِ سلوک، استغنا، صبر، فقر، توکل، عشق الٰہی، معرفت، حقیقت، صلاحیتِ دل، تکلیف و مصیبت، خلافت، کیفیت مستی، سیاحت، تواضع و خاک ساری، نرمی و ملاطفت، ذکر حق، محبتِ مرشد، عزیمت، فراغتِ قلب، بنیادِ حق) وغیرہ۔ مذکورہ ارکانِ تصوف کی مختلف تعبیرات موجود ہیں جن کی توضیحات کو صوفیا نے اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ صوفیا کی زندگی کا مقصود کیا تھا اور وہ کیوں اپنے آپ کو شریعت سے متصل ایک پیرلل ڈسکورس سے گزارتے ہوئے رب تعالیٰ کے حقیقی گیان کی تحصیل کا صبر آزما اور مشکل ترین مرحلہ طے کرتے تھے؟ صوفیا کو دین سے محبت اور دُنیا سے بیزاری کیوں ہوتی ہے؟ صوفیا دُنیا کو حیض سے تشبیہ کیوں دیتے ہیں؟ صوفیا جنگل، بن، ویرونوں اور تنہائی و مجرد کی زندگی گزارنا کیوں پسند کرتے ہیں؟ ان کے بظاہر اور باطن میں نفاذِ تصوف کا تضاد کیوں ہوتا ہے؟ ان کی ظاہری زندگی اور خفیہ زندگی کے جملہ افعال میں بُعد کیوں ہوتا ہے؟ ان کے ہاں مافوق الفطرت عناصر کی کارفرمائی کیسے ہوتی ہے؟ عقل و شعور اور آگہی سے ماورا طلسمی کارنامے یعنی کشف و کرامات کا وُرود کیسے ہوتا ہے؟

یہ وہ سوالات ہے جو ایک عام مسلمان کے ذہن میں سلاسلِ صوفیا کو لے کر اُبھرتے ہیں۔ ان سوالات میں ایک کشش ہے جو کمزور عقیدہ کے حامل انسان کو تصوراتِ صوفیا کے قریب لے جاتی ہے جس سے متاثر ہو کر رفتہ رفتہ پھر وہ اس کی طلسمی جلوہ گری میں کھو کر رہ جاتے ہیں۔ صوفیا کا حُلیے کا متنوع انداز اس کی ذات کے مختلف شیڈ کو عیاں کرنے اور چھپانے میں اہم کردار ادا کرتا ہے؟

پاکستانی تصوف میں اس حلیے سے بہت سے جعال ساز اور بناوٹی صوفیا نے فائدہ بھی اُٹھایا ہے۔ جسم پر بھبھوت مل کر راکھ چھاننے اور عجیب و غریب وضع اختیار کر کے لاگ و گزاف بکنے والے جعل ساز کو صوفی مان کر ان کے جال معصوم لوگ پھنس جاتے ہیں اور پھر پتہ چلتا ہے کہ صوفی نما یہ فراڈیا لڑکی لے اُڑا، سامان لے بھاگا؛ سونا وزیورات ہتھیا لے گیا۔ اور ینجل صوفی مذکورہ صورتحالِ سے ماوراہوتا ہے۔ اس کی ذاتی زندگی میں جن لوگوں نے انھیں جس طور میں دیکھا؛ اسی وضع میں انھیں اپنی تصنیفات وملفوظات میں بھی پایا۔ خواجہ میر درد، بابا فرید، شاہ حسین، میاں میر، سلطان باہو، بلھے شاہ، میاں محمد بخش، رحمان بابا، شاہ عبد الطیف بھٹائی، سچل سرمست، مست توکلی، عثمان علی ہجویری، شیخ امیر حسنی، لال شہباز قلندر، ذہین شاہ تاجی، نور محمد مہاروی، صوفی برکت علی، پیر مہر علی گولڑوی، پیر فضل فورٹ عباسی، عبد اللہ شاہ غازی، بہاؤ الدین زکریا ملتانی، جمن شاہ، ولایت شاہ، عالم شاہ، پیر کھڑی شریف، خواجہ سخی سلطان سرور، فقیر نور محمد سروری، وغیرہ کی سوانح و شخصیت اور ان کی جملہ تصانیف اُٹھا کر دیکھ لیں۔ کہیں کوئی ابہام، لچک اور بے عملی کا شائبہ تک دکھائی نہیں دیتا۔

ظلم یہ ہوا ہے کہ ان بزرگانِ دین کی وفات کے بعد ان کے جانشینوں نے ان کی سوانح حیات ترتیب دیتے ہوئے اپنی طرف سے مبالغہ آمیز واقعات اور حقیقت سے ماورا قصص کو شاملِ سوانح کر دیا جو رفتہ رفتہ محض تخیل کی کافرمائی سے آگے بڑھ کر حقیقت کا روپ دھار گئیں اور مرورِ وقت کے ساتھ مریدین وعقیدت مندوں کی توجہ محض کرامات کے پُرکشش قصص تک محدود ہو کر رہ گئیں۔ "خلفاؤں اور جانشینوں نے اپنے اپنے بزرگوں کو دوسروں سے بڑا، اعلی اور مقبول و مشہور دکھانے کے چکر میں ان کی اصل تعلیمات کو ان کی تصانیف سے نہ صرف حذف کیا بلکہ اپنی طرف سے کرامات و معجزاتاور کشفی واردات سے متصل قصص سے شخصیت کے وصایا کو اس قدر مزین کر کے کتب تالیف کیں جنھیں پڑھنے والے اندھا دُھند واہ واہ اور سبحان اللہ کہتے ہوئے اپنے لیے اسی روش کو زندگی کا مقصد بنا بیٹھے اور دین کی اصل روح اور اصل پیغام سے مستقل دور ہو گئے"۔(۵)

یہ صورتحال اس قدر گھمبیر ہو چکی ہے کہ کسی مشہور صوفی بزرگ کے بارے میں قطعیت سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان سے منسوب جو تصانیف ملتی ہیں وہ بعنیہ اسی بزرگ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں یا کسی اور نے اس میں اضافہ کیا ہے اور وہ کتنا ہے اور کہاں کہا ں ہے۔ صوفیا کا چھوڑا ہوا یہ سرمایہ زیادہ تر عربی زبان میں تھا، بعد میں فارسی میں منتقل ہوا اور فارسی سے اُردو میں آیا۔ کئی زبانوں سے ترجمہ ہوتے ہوئے ان قصص میں اتنا کچھ ردوبدل ہو چکا ہے کہ اب ان کے بارے میں جذبات سے عاری ہو کر غیر جانبدارانہ تحقیق کے ذریعے ہی اس میں اصالت اور کھوٹ کو ٹٹول کر الگ کیا جاسکتا ہے بصورتِ دیگر خاموشی اور اجتناب کے سوا کوئی چارہ نہیں۔

برصغیر پاک وہند میں جتنے بھی صوفیا دین کی تبلیغ کی غرض سے آئے ہیں۔ ان سب کا مطمع نظر دین کی تعبیرات کی درست توضیح کرنا تھا جسے انھوں نے عمر بھر اپنے عمل سے مشروط کر کے دکھایا۔ بابا فرید الدین مسعود گنج شکر، عثمان علی ہجویری، صوفی برکت علی، سلطان باہو، وارث شاہ، بلھے شاہ، میاں محمد بخش وغیرہ کی سوانح حیات کو پڑھ کر دیکھ لیجیے۔ ان کی سوانح میں جو عنصر یکساں اور توازن سے نظر آتا ہے؛ وہ ایمان اور اعتقاد کی اصل روح کا تعارف اور اس کی درست شناسائی ہے۔ حضورِ اکرمؐ نے پوری زندگی دین کی علمی توضیح کرنے میں صرف کر دی۔ ختمِ نبوت کا تصور ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا اور دین مکمل ہو چکا۔ مزید کسی توضیح کی ضرورت نہیں اور قیامت تک کے لیے یہی دین کی تعبیرات و توضیحات کارفرما رہیں گے۔ نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا لیکن اجتہاد کی راہ کھلی رکھی گئی تاکہ قیامت تک کے انسانوں کی راہنمائی کے لیے انھیں اپنے عہد میں درپیش معاملات و مسائل میں قرآن و

حدیث کے بعد صحابہ، تابعین اور تبع تابعین کی تعلیمات کو مد نظر رکھتے ہوئے اجتہاد اور جمہور رائے کے ذریعے اپنے معاملات کی انجام دہی کرنا سہل ٹھہرے۔

دین میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ دینِ اسلام کی اساس ہی اس بات پر ہے کہ اس دین کسی کو زبردستی لایا جاسکتا ہے او رنہ زبردستی نکالا جاسکتا ہے۔ دین کے قبول کرنے اور رَد کرنے میں ہر انسان کو کلی اختیار حاصل ہے۔ سزا اور جزا کا معاملہ رب تعالیٰ کے پاس ہے۔ ہم کسی کو کافر نہیں کہہ سکتے اور نہ کسی کی جنت اور دوزخ کا فتوا جاری کرسکتے ہیں۔ دین میں بگاڑ کرنے والے، بدعات داخل کرنے والے اور دین کو اپنے مفاد کے لیے توڑ مروڑ کر پیش کرنے والے کا معاملہ حشر کے دن رب تعالیٰ کے سامنے اُٹھے گا، یہاں کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ عدالت لگا کر بیٹھ جائے اور لوگوں کے ایمان وایقان کی اساس کو اپنی محدود عقل اور شِیر خوار شعور سے ٹٹول کر فیصلے کرتا پھرے۔ اسلام نے اس معاملے میں سب کو آزاد اور خود مختار بنایا ہے ہے۔ احتساب کا معاملہ رب تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ دینِ اسلام کے جملہ تصورات کو اصل شکل میں اگر کسی نے برصغیر میں پہنچایا ہے اور ان کی درست توضیح کی ہے تو وہ صوفیا ہیں جن کے مزارات پاک وہند میں آج بھی مرجع خلائق ہیں۔ دلچسپی رکھنے والوں اور راہنمائی کے خواہش مندوں کے لیے کی تصانیف اور ملفوظات موجود ہیں جن سے سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

> "صوفیائے پاک وہند کی جملہ تبلیغ کا منشا اسلام کے اصولوں پر عمل پیرا ہو کر رب تعالیٰ اور اس کے رسول کی خشنودی حاصل کرنا ہے۔ صوفیا نے اپنے اپنے انداز میں دین کی اصل اساس کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی ہے"۔(۶)

صوفی شعرا کے جملہ دواوین اُٹھا کر دیکھ لیجیے۔ ان میں انسان دوستی، مساوات، بھائی چارہ، انسانی جان مال اور عزت کے تحفظ کا احساس، ہمدردی، ملنساری، عجز وعفو درگزر، رحم اور نظر اندازی کے یکساں عناصر ملتے ہیں۔ انا اور نفس کُشی کا تصور ان کے ہاں ملتا ہے۔ کبر، جبر اور زبر کی بجائے زیر اور کسر کا رجحان دکھائی دیتا ہے۔ دولت، شہرت اور عزت کے شیطانی وسواس سے نکلنے کی راہنمائی ملتی ہے۔ صبر، شکر، رضا، توکل اور رجوع اللہ کا درس ملتا ہے۔

فریدآ! ایہہ تن بھوکنا نٹ کھئے کون رکنیں بُجتے دے رہاں کتی وگے پون(۷)

(ترجمہ: اے فرید یہ تن کتے کی طرح بھوکنے والا (یعنی نفسِ امارہ ہے) ہے اس کے نت نئے مطالبات سے ہر روز دُکھ کون اُٹھائے اس لیے بہتر یہی ہے کہ کانوں میں روئی ٹھونس لے یعنی ان کی بھونکی پر توجہ نہ دے۔)

اُٹھ جاگ گھڑاے مارنئیں، ایہہ سون تیرے درکار نئیں رکتھے ہے سلطان سکندر؟ موت نہ چھڈے پیر پیغمبر سبھے چھڈ چھڈ گئے اڈمبر، کوئی ایتھے پائدار نئیں رجو کجھ کر سیں، سو کجھ پاسیں، نئیں تے اوڑک پچھوں تاسیں سونجی کونج وانگوں کُرلاسیں، کھنباں باجھ اُڈار نہیں رُاٹھ جاگ گھڑاے مارنئیں، ایہہ سون تیرے درکار نئیں(۸)

(ترجمہ: اُٹھو! خراٹے نہ لو، یہ سونا تمہارے لیے زیادہ اہم نہیں ہے۔ دیکھو سکندر بادشاہ کہاں گیا؟ موت کسی پیر اور پیغمبر کو نہیں چھوڑتی۔ سبھی کو یہ جہان چھوڑ کر جانا پڑتا ہے اور یہاں کچھ بھی پائیدار نہیں ہے۔ جس کی کوشش کروگے؛ اُسے پالوگے نہیں تو مستقل پچھتاتے رہوگے جس طرح کونج صحرا میں پانی کے لیے بلکتی رہتی ہے اور اس کے پروں میں پرواز کی سکت نہیں رہتی۔ اُٹھو! خراٹے نہ لو، یہ سونا تمہارے لیے زیادہ اہم نہیں ہے)

جو دم غافل سو دم کافر سانوں مرشد ایہہ پڑھایا ہُو رسُنیا سخن گئیاں کھل اکھیں اساں چِت مولا دل لایا ہُو

کتی جان حوالے رب دے اساں ایسا عشق کمایا ہُو / مرن تو اگے مر گئے باھوتاں مطلب نوں پایا ہُو (۹)

(ترجمہ: جو وقت رب کی یاد کے برعکس غفلت میں گزر گیا وہ کافری کی طرف لے گیا، یہ بات ہمیں مرشد نے سمجھائی ہے۔ ہم نے اپنی جان رب کے حوالے کر دی اور ایسا عشق کا مفہوم پایا ہے کہ مرنے سے قبل موت کا ادراک ہو گیا ہے جس سے ہم اپنی حقیقت سے آگاہ ہو گئے ہیں۔)

؎ نیچاں دی اشنائی کُولوں فیض کسے نہ پایا / کِکر اُتے انگور چڑھایا ہر گچھا زخمایا

درمنداں دے سخن محمد دین گواہی حالوں / جس تے پھل بدھے ہوون آوے بور مالوں

عاماں تے اخلاصاں اَگے خاصاں دی گل کرنی / مِٹھی کھیر پکا محمد کُتیاں اَگے دھرنی (۱۰)

(ترجمہ: کمتر اور نچلے درجے لے لوگوں سے فیض نہیں ملتا۔ اس کی مثال ایسے ہی جیسے کیکر (کانٹوں بھرا درخت) کے درخت پر انگور کی بیل چڑھا دی جائے جس سے انگور کا ہر گچھا زخمی ہو جائے۔ درد مند لوگوں کی باتیں خوشبو کی طرح ہوتی ہیں جس کے دامن یعنی ہاتھ میں پھول ہوں گے اور کے رومال یعنی جسم یعنی افکار سے خوشبو ہی آئے گی۔ خاص لوگوں کی باتیں عام لوگوں کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہیں اور وہ اس رمز کو سمجھ نہیں پاتے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے میٹھی کھیر پکا کر کتوں کے آگے رکھ دی جائے (کتا کھیر نہیں کھا سکتا بلکہ اسے ضائع کر دیتا ہے)

؎ اِتھ دردمنداں دے ویرے / جتھ کریڑ کنڈا بوئی ڈھیر اے

اے اُچڑے ٹبڑے عالی / اے سوہنٹی ککرے والی

ہن مشاقاں سے والی / بیان کون قدم اتھ پھیرے (۱۱)

(ترجمہ: اہلِ درد ویرانے آباد کرتے ہیں اور جہاں پر ببول، کریر اور بوٹیاں کثرت سے ہوں وہاں پر وہ اپنا ٹھکانہ بنا لیتے ہیں، یہ پیت زدہ ریتے ٹبے مشاقانِ یدار کے لیے نعمت سے کم نہیں)

مذکورہ اشعار سے یہ تاثر ابھر کر سامنے آتا ہے کہ صوفیا نے اپنے اپنے عہد میں رب تعالیٰ کی ذات کا درست تصور لوگوں تک پہنچایا اور اپنے عمل سے اور شوقِ وجدان سے ان کے عہد کی زبان کو وسیلہ بناتے ہوئے انھیں کے علاقے کی علامتوں کو مثال میں لے کر انسانیت کے سچے، کھرے اور نرمل تصور اکو واضح کیا۔ صوفیا کا یہ کمال ناقابلِ فراموش ہے کہ انھوں نے اپنے علاقے کی زبان کو تج کر جس علاقے کو سکونت اختیار کی؛ وہیں کی زبان کو تبلیغ کے لیے وسیلہ بنایا۔ زبان واقفیت اور تعلق داری کا ذریعہ ہوتی ہے۔ برصغیر کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ جو یہاں آیا یہیں کا ہو کر رہ گیا۔ تصوف اور تصوراتِ صوفیا اور پاکستان میں صوفی ازم کی موجودہ صورتحال پر بات کرنے کے بعد اب میں سید سرفراز اے شاہ کے اُس کردار کے بارے میں بات کرتا ہوں جو انھوں نے صوفیانہ تصورات کے معاملے میں ادا کیا ہے۔

سید سرفراز اے شاہ پاکستان میں صوفی ازم کے حوالے سے ایک خاص پہچان رکھتے ہیں۔ "سید سرفراز اے شاہ 12 جون 1944 کو جالندھر میں سادات خاندان میں پیدا ہوئے"[۱۲]۔ ان کی تعلیم و تربیت میں دین کی اصل اساس کی کارفرمائی پوری طرح رچی بسی ہوئی تھی۔ انھیں خالصتاً دیناوی تعلیم سے شغف تھا اور یہ سائنسز میں جانا چاہتے تھے پھر انھوں نے کاروبار سے متعلق تعلیم مکمل کی اور ملتان میں ایک سرکاری ملازمت کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ سید سرفراز اے شاہ مختلف انتظامی سرکاری عہدوں پر تادیر وابستہ رہے۔ برمنگھم یونی ورسٹی میں مینجمنٹ کے موضوع پر لیکچر بھی دیئے۔ آج کل پاکستان کی معروف صنعتی و تجارتی گروپس

سے پیشہ ورانہ وابستی اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ان کی سوانح و شخصیت اس قدر پُر کشش اور ہر دل عزیز ہے کہ جس نے ایک دفعہ انھیں سُن لیا؛ وہ نا اُمیدی سے اُمید کی طرف لوٹ آتا ہے۔

ان کی سوانح سے معلوم ہوا کہ ملتان میں اقامت کے دوران بہاؤالدین زکریا ملتانی کے دربار میں ان کی حاضری ہوئی جہاں انھوں نے درخواست کی کہ "انھیں مرشد کی تلاش ہے جو دین کی اصل روح اور مقصدِ حیات کے اصل تعارف سے آشنا کروادے"[۱۳]۔ ان کا کہنا ہے کہ بچپن سے ہی دین کی طرف رغبت ہونے کی وجہ سے مافوق الفطرت اسرار مجھ پر منکشف ہوتے رہتے تھے تاہم میں ان کی سمجھ بوجھ سے عاری تھا۔ ایک انٹرویو میں ان کا کہنا تھا کہا "ایک رات مجھے خواب میں بابا تاج الدین اولیا کی زیارت ہوئی۔ انھوں نے مجھے بتایا کہ لاہور کے میانی قبرستان سے ملحق علاقے میں فلاں بزرگ موجود ہیں۔ آپ اُن سے مل لیں۔ آپ کا کام (دنیاوی اغراض سے متصل) ہو جائے گا"[۱۴]۔ سرفراز صاحب اُس بزرگ کے پاس گئے اور اپنا کام عرض کیا اور کام ہو گیا لیکن سرفراز صاحب اُس بزرگ سے ایسے متاثر ہوئے کہ پھر اُسی کے ہو کر رہے گئے۔ یہ بزرگ حضرت یعقوب علی شاہ صاحب تھے جو ہجرت کر کے لاہور میں آبسے تھے۔ ان کی ایک اولاد تھی جن کی وفات کے بعد بیوی کا انتقال ہو گیا تھا۔ سرفراز صاحب کے بقول یہ بزرگ راہِ الٰہی میں خود کو فنا کر چکے تھے اور اب رب تعالیٰ کے خاص قُرب میں تھے۔ سرفراز صاحب بتاتے ہیں:

> "حضرت یعقوب علی شاہ صاحب نے ایک روز مجھے بتایا کہ مجھے تمہاری شکل بہت پہلے دکھادی گئی تھی لیکن تم میرے پاس بہت دیر سے پہنچے؛ اتمہارا حصہ میرے پاس ہے جسے میں کر رخصت ہونا چاہتا ہوں"۔(۱۵)

سرفراز صاحب نے حضرت یعقوب علی شاہ صاحب سے تصوف کا جو علم سیکھا اور تصوف کے بارے میں جو کچھ حاصل کیا اُسے اپنے تک محدود نہیں کیا بلکہ اس روحانی علم کو ۴۰۷ لیکچرز (http://qalander.org/first.html) کی صورت ریکارڈ کروا دیا جو اب سات کتابوں کی صورت میں دستیاب ہے۔ ان کتب میں سید سرفراز اے شاہ صاحب نے تصوف کے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے وہ اس قدر اہم اور ناگزیر ہے کہ اس کے عملی نفاذ سے پاکستان کے موجودہ خانقاہی نظام کی از سرِ نو اصلاح کی جاسکتی ہے۔ سید سرفراز اے شاہ کی پہلی کتاب **کہے فقیر** کے نام سے جہانگیر بک ڈپو لاہور سے شائع ہوئی جس کے اب تک تیس سے زائد ایڈیشن شایع ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد ان کے اس **کہے فقیر کا سلسلہ** شروع ہوا جو چھے مزید کتابوں، **فقیر نگری، لوحِ فقیر، فقیر رنگ، ارژنگِ فقیر، عرضِ فقیر اور نوائے فقیر** پر مشتمل ہے اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ یہ سات کتب ان کے 407 آڈیو لیکچرز پر مشتمل کتب ہیں جن میں سوال و جواب کی نشست کے ذریعے تصوف اور روحانیت کے متعلق معلومات فراہم کی گئی ہے۔ یہ 407 لیکچرز اور ساتھ کتب کا مجموعہ پاکستانی تصوف اور خانقاہی نظام کی از سرِ نو اصلاح کا علمی کارنامہ ہے۔ سید سرفراز اے شاہ کے تصوف کے رائج نظریات، اعتقادات، تصورات اور مسائل و افکار کے بارے میں اپنی کیا رائے رکھتے ہیں۔ اس کا محاکمہ ناقدانہ انداز میں ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

سید سرفراز اے شاہ صاحب نے اپنے ان لیکچرز اور کتب میں تصوف و روحانیت کی جملہ معلومات کے بارے میں انتہائی خاکسارانہ انداز میں کہا ہے کہ میں نے جو کچھ کہا ہے یہ سب ودیعتِ خدا ہے اور میں نے اس کو بعینہ آپ تک پہنچا دیا ہے۔ تصوف کے بارے میں اور فقر کے بارے میں میرے جو نظریات اور تصورات ہیں؛ ان کا ذکر تفصیل سے ان لیکچرز میں موجود ہے جو کتابی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

"میں پڑھا لکھا انسان ہوں نہ کوئی ادیب، خطیب یا مقرر، لفظوں سے جادو جگانے کے فن سے قطعی نا آشنا۔۔۔ یہ کتاب تو بس ایک فقیر کے دل کی گہرائیوں سے نکلنے والی آواز ہے جو الفاظ میں ڈھل کر آپ کے سامنے ہے۔ اس کا مقصد خود نمائی ہے، نہ ہی روحانی مسائل پر کوئی نئی جہت یا نظریہ پیش کرنا۔۔۔ یہ تو محض ایک اُمی کے تخیل کی پرواز اور دل سے نکلی ہوئی بات ہے جو شائد کسی کے دل میں اُتر جائے"۔(۱۶)

سید سرفراز اے شاہ نے کسرِ نفسی سے کام لیتے ہوئے دیباچہ میں اپنے فقیر ہونے اور لاعلم ہونے کا اعتراف کیا ہے مگر ان کی یہ فقیری اور لاعلمی بہت سے حاز قین و عالمین سے سبقت لیے ہوئے جن کے پاس علم کے منگلا ڈیم ہیں لیکن عمل کا ایک رواں تالاب بھی نہیں۔ تصوف کیا ہے اور تصوف کے لفظ کی اصل ماہیت کیا ہے؟ اس پر ہر دور میں لکھا گیا اور اتنا کچھ لکھا گیا کہ آج تصوف کی مبادیات کو سمجھنے کے لیے تصوف کی تعریفات کے جنگل میں انسان بھٹک کر رہ جاتا ہے اور راستہ دکھائی نہیں دیتا۔ تصوف کے بارے میں سید سرفراز اے شاہ کی رائے کیا ہے اور وہ تصوف کے بارے میں عہدِ حاضر کے ماحول، تاثر اور رجحان کو لے کر کیا نظریہ رکھتے ہیں۔ اس کا تفصیلی سے ذکر انھوں نے کہے فقیر میں اس طرح کیا ہے:

"تصوف در حقیقت نام ہے روحانی ارتقا کی منازل طے کرنے کا اور اس ارتقائی عمل کو جاری رکھنے کے لیے سلسلے میں جو کوشش اور جدوجہد کرنا پڑتی ہے، اسے اصطلاحی طور پر تصوف کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ تصور عام ہے کہ تصوف کوئی ایسی چیز ہے جو شریعت سے ٹکراؤ رکھتی ہے۔ ایسا نہیں ہے۔ صحیح تصوف وہ ہے جس میں بدعتوں کی آمیزیش نہ ہو اور شریعت سے ٹکراؤ نہ رکھتا ہو۔ تصوف چار حروف پر مشتمل ہے[ت۔ص۔و۔ف]ت۔سے مراد توبہ، ص۔سے صفائی، و۔سے وارفتگی اور ف۔سے فنا فی اللہ ہے۔ تصوف کی راہ میں جو آدمی چلتا ہے وہ ان چاروں جہتوں سے گزرتا ہے اور اس کی منزل فنا فی اللہ ہے۔(۱۷)

تصوف کی مذکورہ تعریف دستیاب تعریفات سے بالکل جدا اور منفرد ہے۔ اس تعریف میں سہل، آسان اور لطیف انداز میں تصوف کی تحدید کر دی گئی ہے اور یہ بتا دیا گیا ہے کہ تصوف کا شریعت سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے اور تصوف شریعت کے برعکس کوئی نیا دین یا مسلک اور فرقہ نہیں ہے بلکہ دین کی آسان توضیح کا ایک ڈسکورس ہے جس پر چلنا دراصل شریعت کے کرائیٹیریا کو ہی فالو کرنا ہے۔ تصوف کی راہ بہت کٹھن بتائی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس راہ میں یعنی راہ سلوک کی منزل میں پہلے قدم سے فنا فی اللہ کی منزل کے حصول تک 32 سال کا عرصہ لگ جاتا ہے۔ یہ راہ اپنے تمام تر اصول و ضوابط اور طریقِ عبادت و ریاضت کے ساتھ سالک کی ذہنی کیفیت، ایمان کی ایقانیت اور نفس کُشی کی صورتحال اور رب تعالیٰ پر ایمان کی پختگی پر منحصر ہے۔ سید سرفراز اے شاہ ایک سالک کی ابتدا سے فنا فی اللہ کی منزل تک کا راستہ اس ترتیب سے بتاتے ہیں:

"سب سے پہلے انسان کو توبہ کرنی چاہیے اپنے اُن گناہوں اور کوتاہیوں سے جو اُس سے سرزد ہو چکی ہیں۔ یہ پہلا قدم ہے۔ پچھلے گناہوں سے توبہ کرنے کے ساتھ ساتھ وہ آئندہ بھی گناہوں سے بچنے کے لیے اپنے باطن کی پوری طرح صفائی کر لے۔ یوں بالا آخر وہ فنا فی اللہ کے مقام تک چلا جائے گا"۔ (۱۸)

کشف کرامات کا سلسلہ پاکستانی تصوف میں بہت شَد و مد سے ملتا ہے۔ اس حوالے سے بزرگانِ تصوف کے ملفوظات اور ان سے منسوب تصانیف میں سیکڑوں واقعات ملتے ہیں۔ سمندر سے بیڑا نکال لانا، قبر سے مردے کو زندہ کر لینا، ہوا میں اُڑنا، لڑکے دینا، بد روحوں، چڑیلوں اور خبیث جنات سے رہائی دلانا، رزق عطا کرنا، بیماری سے شفا دینا، ویزے لگوا دینا، نمبر لگانا اور رشتے کروانا سمیت سیکڑوں کرامات ہی کے ضمن واقعات کا شمار ہوتا ہے۔ پاکستان میں اس وقت کسی پیر اور فقیر کا نام ذہن میں آتے ہی مذکورہ واقعات کا کراماتی ذکر حواس پر غالب آتا ہے۔

کسی محفل میں صوفیا اور فقیروں کی زندگی اور ان کے احوال پر بات کر کے دیکھیں پھر سب اپنے اپنے بابوں، پیروں اور مرشدین کی کرامات اور روحانی اختیارات کا ایسا ایسا بیان کریں گے کہ خدا تک پہنچا دیں گے۔ اس جاہل اور شعور سے عاری مریدین کی اصل میں تربیت نہیں ہوتی۔ انھیں انسان کے اختیار اور مجبورِ محض ہونے کے بارے میں صحیح تصور سے آگاہ نہیں کیا۔ ان کے نزدیک ہر چیز کا حل صرف پیر ہے اور پیر ہی ہر درد کی دوا بھی ہے۔ سید سرفراز اے شاہ مذکورہ تمام تصورات کا رد کرتے ہیں اور ایک اور ینجل فقیر اور رب تعالیٰ کے قُرب سے مستفید صوفی کے اختیار اور روحانی تصرف کا اس طرح اظہار کرتے ہیں:

> "ہر انسان رب تعالیٰ کی مرضی کا اس حد تک محتاج ہے کہ کوئی ولی اللہ اور صاحبِ مقام اپنی پُشت پر بیٹھی مکھی اُڑانے کے قادر نہیں تاوقت کہ رب تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہ ہو جائے۔ لہٰذا یہ سمجھنا کہ کوئی بھی صاحبِ حال جب جس چیز کے بارے میں چاہے گا جان لے گا۔ غلط ہے۔ وہ صرف اُس چیزوں کو سمجھ پائے گا جب رب تعالیٰ چاہے گا ورنہ ہر چیز سے لاعلم رہے گا"۔(۱۹)

بعیت کا تصور بھی پاکستانی تصوف میں عجیب و غریب صورت اختیار کر گیا ہے۔ یہاں بعیت کرنے والے پر ساری پابندیاں عائد ہیں اور وہ یہ کہ جس مرید نے بعیت کرنی ہے وہ اپنے مرشد کی تاعمر وفاداری کرے گا۔ اپنے مال سے ہر ماہ اس کے لیے چندہ نکالے گا۔ خوشی غمی کے موقع پر مرشد کی دامے درمے قدمے سخنے مدد کرے گا اور اسی کو خوش کرنے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے جان سے کھیل جائے گا لیکن مرشد صاحب اس کی کوئی راہنمائی نہیں کریں گے بلکہ اسے بعیت کے وقت بتا دیا جاتا ہے کہ جا بھائی! جنت تمہاری نام لکھ دی گئی اور تمہارے گلے میں ہمارا پٹا ہے تمہیں اس پٹے کے ذریعے قیامت میں ہم پاس بلا لیں گے اور حضور اکرمؐ سے تمہاری شفاعت کروا دیں گے وغیرہ وغیرہ۔

سید سرفراز اے شاہ اس طرح کے تصورات کا شدت سے رَد کرتے ہیں اور یہ بتلاتے ہیں مرشد کا کام مرید کو دینِ اسلام کی درست اساس کا عملی احیا کروانا ہے اور مرید کو ارکان و عقائد اسلام سے واقف کرواتے ہوئے اس کی ہر طرح سے اصلاح کرنی ہے تاکہ یہ صحیح معنوں میں مسلمان بن جائے جس سے رب اور اس کا رسولؐ راضی ہو جائیں۔ دین اور دُنیا میں توازن کا بہترین نظام تصوف کا درست طریقہ کار ہے جس کے بارے میں سید سرفراز اے شاہ اس طرح اظہار کرتے ہیں:

> "بعیت کا لفظ بیع سے نکلا ہے جس کا مطلب ہے فروخت کرنا اور مرید اپنے آپ کو مرشد کے ہاتھوں فروخت کر دیتا ہے اور پابند ہوتا ہے کہ اُس کا مرشد اُسے جو بھی حکم دے گا وہ فوراً بجا لائے گا۔ بعیت لینے والا خود اپنے مرید کی تربیت کرنے کا بھی پابند ہے اور وہ سیدھی راہ پر چلائے رکھنے کا بھی ذمہ دار ہے۔ یہ اور بات ہے کہ دستورِ زمانہ کے مطابق اب بیت عموماً یک طرفہ ہوتی

ہے۔ بعیت کرنے والا تو پابندی کرتا ہے لیکن لینے والا ہر طرح کی ذمہ داری اور پابندی سے خود کو آزاد سمجھتا ہے"۔(۲۰)

پاکستان میں خانقاہی نظام کا تصور بھی عجب گورکھ دھندہ ہے۔ اسے سمجھنے کے لیے تمام مسالکِ تصوف کا تقابلی مطالعہ کرنا پڑتا ہے پھر کہیں جا کر سمجھ آتی ہے کہ قادری، چشتی، سہروردی اور نقشبندی کے ہاں باہمی اختلاف کس سطح کے ہیں اور ان کے مریدین و امامین کے ہاں ایک دوسرے کے معاملاتِ طُرق و ریاضت کو لے کر تکفیر تک کی نزاعت کیوں پائی جاتی ہے۔ پاکستان میں اب صورتحال یہ ہے کہ خانقاہیں سیاست کے ڈیرے بن چکی ہیں جہاں مریدین کو ذاتی مفاد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ قومی اسمبلی میں پیروں کی گدیوں کی ایک تہائی تعداد پچھلے پچھتر برس سے براجمان ہیں اور کوئی انھیں ہٹانے والا موجود نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بزرگوں نے جس انسانیت نواز طریقِ روش کو اختیار کیا تھا وہ اب ان کے جانشینوں میں سرے سے موجود نہیں ہے۔ اب تو فقط دنیاداری کی بُو ان خانقاہوں میں محسوس ہوتی ہے۔ کہیں کہیں اب بھی خانقاہوں میں قدیم روایتی ماحول نظر آتا ہے جہاں مریدین کو عینِ اسلامی اصول وضوابط کے مطابق ٹریٹ کیا جاتا ہے اور ان کی روحانی تربیت کی جاتی ہے اور انھیں معاشرے کا بہترین انسان بنانے کی طرف توجہ مبذول کروائی جاتی ہے۔

برصغیر میں خانقاہی نظام کس طرح وجود میں آیا اور پھر مرورِ وقت کے ساتھ اس میں کیا تغیرات رونما ہوئے اس کے بارے میں سید سرفراز اے شاہ صاحب کہے فقیر میں تفصیل سے بتاتے ہیں کہ کس طرح خانقاہی نظام نے برصغیر کی جہالت و کفر کو روشنی و ایمان میں تبدیل کیا۔

> "جس زمانے میں خانقاہی نظام رائج تھا اور کوئی بھی شخص جب کسی فقیر کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور عرض کرتا تھا کہ مجھے رب کی راہ پر چلنا ہے تو وہ بزرگ اس کے سر پر اُسترا پھروا دیتے تھے جس سے اس میں عاجزی پیدا ہوتی تھی اور اس کی اَنا کچلی جاتی تھی۔ اس کے بعد اس کی ڈیوٹی وہاں آنے جانے والوں کی جوتیاں صاف کرنے پر لگائی جاتی تھی تاکہ اس کے اندر حقیر کام کرنے کے داعیات ختم ہو جائیں۔ دو چار سال کے بعد اس کی ڈیوٹی خانقاہ میں جاڑو دینے پر لگائی جاتی تھی ۔اس کے بعد برتن دھونے پر اور پھر لنگر تقسیم کرنے پر لگائی جاتی تھی۔ یہ وہ تربیت کا طریقہ تھا جس کے ذریعے ایک مرشد اپنے مرید کی سالہا سال ظاہری و باطنی اور روحانی تربیت کرتا تھا اور مرورِ وقت کے ساتھ مرید روحانی درجات کے اعلیٰ منصب پر فائز ہو جاتا تھا اور دین کی خدمت میں نہایت بلند خدمات انجام دیتا تھا"۔۲۱

خانقاہی نظام کا یہ قدیم سسٹم اب تنزل کا شکار ہے۔ خانقاہوں میں اب تو قوالی کے نام پر رقص کیا جاتا ہے اور شریعت کی دھجیاں اُڑائی جاتی ہیں اور کوئی پوچھنے والا نہیں کہ صاحبِ مزار نے کیا عمر بھر اس کام کی اجازت کے لیے ریاضت کی تھی جو یہ سرِعام شریعت کے برعکس کار فرما ہے۔ "فی زمانہ اب تو جہالت ولاعلمی کا ایسا فتنہ اُمڈ آیا ہے کہ پاکستان کے بڑے سے بڑے مزار کے مجاور اور جانشینوں میں گدی کے چندوں پر جھگڑے ہوتے ہیں اور نوبت مرنے مارنے تک پہنچ جاتی ہے"۔(۲۲)

راہِ تصوف کا سیدھا سا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ بندے سے راضی ہو جائے۔ بندے سے رب تعالیٰ کا راضی ہونا کوئی مشکل اور ناممکن کام نہیں ہے۔ ایک عام مسلمان جو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا اور روزہ زکوۃ دیتا ہے اور سچ بولنے اور ایماندار رہنے کی کوشش

کرتا ہے اُسے تصوف کی کیا ضرورت ہے۔ اُسے تو نماز پڑھنی چاہیے اور اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔ رب اُس سے مہربان اور خوش ہو جاتا ہے۔ تصوف دراصل شریعت پر عمل کرنے کا آسان ترین ذریعہ ہے جس کے ذریعے انسان دُنیا کے تمام معاملات کو احسن طریق پر انجام بھی دے لیتا ہے اور دین کے معاملے میں بھی کچھ دال دلیا کر لیتا ہے۔ "برصغیر کے صوفیا کی زندگی سادگی، ایمانداری، اخلاص اور صبر و رضا کے سانچے میں ڈھل کر گزری ہے"۲۳۔ انھوں نے نہ کبھی دنیاوی خواہشات کو پالا اور نہ نفسی خواہشات کے اسیر ہوئے۔ ان کے لباس و خوراک سادہ تھے۔ رہائش سادہ اور سامانِ زیست بالکل واجبی سا تھا۔ گویا مسافرت کی زندگی بسر کی۔ یہ بالکل ویسا ہی عمل ہے جیسا حضور اکرمؐ سے عمر بھر روا رکھا۔ سید سرفراز اے شاہ کے متصوفانہ تصورات بھی اسی تفکر کی عملی مثال ہیں۔

> "رب کو اپنی ساری مخلوق بے حد عزیز ہوتی ہے۔ وہ اس سے بے پناہ پیار کرتا ہے۔ اُس سے بھی جو اُسے مانتا نہیں ہے اور اُس کے ساتھ شریک ٹھہراتا ہے۔ اُن کو بھی پالتا ہے جو اُس کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ یہ اُس کی شانِ ربوبیت ہے۔ جب ہم اُس کے کسی بندے کی اس نیت کے ساتھ خدمت کرتے ہیں کہ یہ میرے بندے کا بندہ اور اُس کی خدمت میرا فرض ہے اور اُس کی خدمت کرنے سے میرا رب مجھ سے راضی ہو جائے گا تو اس نیت کے تحت کیا گیا عمل رب کے قُرب کا باعث بنے گا اور جن کو رب کا قُرب مل جاتا ہے اُن کو علم بھی عطا ہو جاتا ہے اور نیابتِ الٰہی بھی"۔(۲۴)

صوفی، فقیر اور درویش ایک ہی سانچے کے رُخ ہیں۔ جب ہم کسی فقیر، صوفی اور درویش کو دیکھتے ہیں کہ اس کا ظاہر کیسا ہے اور اس کا باطن کیسا ہے۔ اس کے افکار میں تغیر کیوں ہے اور یہ کس طرح کا رویہ رکھتا ہے۔ اس کی شخصیت میں ظاہر و باطن کا تضاد حائل کیوں ہے اور یہ اتنا عجیب و غریب اور سمجھ سے قاصر کیوں ہے؟ اس کی باتیں سمجھ میں کیوں نہیں آتیں۔ اس کے تصورات گنجلک اور پُراسرار کیوں ہوتے ہیں۔

مذکورہ اشکال کے برعکس اس کے تفکرات میں زمین و آسمان کی گہرائی بھی ہوتی ہے۔ اس کے قُرب میں سکون ہوتا ہے۔ اس کی عاجزی اور درماندگی دل موم کر دیتی ہے۔ اس کی بے نیازی دل چھو لیتی ہے۔ اس کا ایثار دم نکال لیتا ہے۔ اس کی مثبت اندازِ فکر کا جمالیاتی آہنگ قدامت کی زنجیروں کو توڑتا ہے۔ انسان اول اول متاثر ہے پھر رفتہ رفتہ اس فقیر، درویش اور صوفی سے اُنسیت ہو جاتی ہے جو آہستہ آہستی موانست میں بدلتی ہے اور ہوتے ہوتے ہولے ہولے اس فقیر، درویش اور صوفی کے توسط سے انسان رب تعالیٰ کے حقیقی عرفان کے گیان کو پالتا ہے۔ سید سرفراز اے شاہ صوفیا کی اس تخصیصی وضع داری کے بارے میں کہتے ہیں:

> "فقیر میں جو عاجزی ہم دیکھتے ہیں وہ عاجزی اس لیے ہے کیونکہ وہ اپنی حقیقت پر نظر رکھتا ہے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں سوائے ایک نجس قطرہ کے۔۔ میری اصل حقیقت وہ ہے اور جس کی اصل حقیقت وہ ہے، وہ اپنے اندر میں یعنی انا کو کہاں سے آنے دے گا۔ فقیر اپنی اصل حقیقت پر نظر رکھتا ہے جس کی وجہ سے اس میں سرتاپا عاجزی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے دل میں دوسروں کے لیے گلہ و شکوہ پیدا نہیں ہوتا اور وہ غصہ، کینہ اور عداوت سے ماورا ہو جاتا ہے اور رب کے قُرب میں چلا جاتا ہے"۔(۲۵)

پاکستانی تصوف میں ایک عنصر وسیلے کا بہت زہرناک حد تک منفی تاثرات لیے ہوئے ہے۔ پیروں، فقیروں اور صوفیا کی درگاہوں اور مزارات پر عام و خواص وسیلے کی غرض سے اپنی خواہشات کے حصول کے لیے جاتی ہے۔ ایک عام انسان سے لے کر

پڑھا لکھا اور باشعور انسان بھی وسیلے کے اصل تصور سے نابلد ہے۔ "صاحبِ مزار سے براہ راست مانگنا اور اس کی قبر کو سجدہ کرنا اور اس طرح کے غیر شریعی حرکات وسکنات کے عمل کو صاحبِ مزار سے عقیدت کا والہانہ ثابت کرنا سراسر جہالت اور لاعلمی ہے جو فی زمانہ اس قدر رائج ہو چکی ہے کہ اب یہی تصوف کی علمی شکل قرار دی جا چکی ہے اور اس روش کو باوجود کوشش کے نہ تبدیل کیا جا سکا اور نہ اس کی روک تھام کے سلسلے میں کوئی ٹھوس اقدامات اُٹھائے گئے ہیں۔"[۲۶] سید سرفراز اے شاہ وسیلے کے تصور کی اصل غائت اس طرح بیان کرتے ہیں:

> "وسیلہ کے معنی ہم عموماً غلط لیتے ہیں۔ قرآن پاک میں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لینے کی جو بات ہے وہ اللہ کے احکامات کے بارے میں ہیں جن کی سختی سے پابندی لازم ہے۔ فقر اور شرع میں کسی غیر اللہ سے اُمید وابستہ کرتا اور یہ سوچنا کہ یہ میری مشکلیں آسان کر دے گا۔ شرک میں آتا ہے۔ صرف رب تعالی ہے جو ہماری مشکلیں ہم سے دُور کر سکتا ہے۔ ایسے میں یہ سوچنا کہ ہمارا مرشد ہمارے کام آئے گا، ہماری مشکلیں حل کر دے گا، ہماری ضرورتیں پوری کرنے کا سبب بن جائے اور ہمیں بھٹکنے سے بچا لیے گا۔ یہ خیال اور تصور مرشد کے بارے میں گویا غیر اللہ سے توقع وابستہ کرنے کے مترادف ہے۔"(۲۷)

پاکستانی تصوف میں یہ تصور بہت عام ہے کہ مرشد مرید کے جملہ احوال سری و خفی سے آگاہ ہوتا ہے اور ہر طرح سے اپنے مرید پر نظر رکھتا ہے۔ یہ تصور اپنے اندر ایک کشش رکھتا ہے اور اس کی جاذبیت توجہ کھینچتی ہے کہ مرید خود کو ہر وقت مرشد کی نگاہ میں ہونا آئیڈیلایز کرنا شروع کر دیتا ہے۔ اگر یہ حقیقت ہے تو پھر مرشد تو سانس بھی نہیں لے سکتا کہ اُس کی سانس تو مریدین کی ایک ختم نہ ہوئی والی لمبی فہرست کی دید میں اٹکی ہوئی ہے۔ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ پاکستانی خانقاہی نظام کی دیہی معاشرت میں اس طرح کے اعتقادات کی حد تک تصورات ضرور موجود ہیں لیکن یہ کوئی عقلی و روحانی اور شریعتی تناظر میں قرینِ حقیقت زیادہ زیاہ بعید از قیاس معمہ ہے۔ سید سرفراز اے شاہ اس تصور کے بالکل الٹ کھڑے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ایک حد تک مرشد مرید کے افعال کی نگرانی کرتا ہے اور وہ بھی انتہائی ناگزیر صورتحال کے پیشِ نظر؛ نہ کہ ہر وقت۔ سید فراز اے شاہ کہتے ہیں:

> "میرے نزدیک تو مرشد اپنے مریدوں کے دلوں کے احوال سے ہمیشہ واقف نہیں ہوتا۔ کبھی کبھار ضرور ہو جاتا ہے اور وہ بھی جب رب تعالیٰ کسی کے دل کا حال اُس پر کھول دے۔ ۔۔۔ مرشد کو ایک انسان کے درجہ پر ہی دیکھیں، رکھیں اور پرکھیں۔ کیونکہ آپ کا مرشد صاحبِ علم تو ہے وہ کشف و کرامات، مستجاب الدوات اور صاحبِ امر بھی ہو سکتا ہے لیکن اس سب کے باوجود رہے گا وہ بہر حال ایک انسان ہی اور جب تک کوئی شخص انسان ہے اُس کی غلطی اور کوتاہی اُس سے سرزد ہونا یقینی ہے اور اُس کا پاؤں بھی پھسل سکتا ہے۔ مرشد سے پیار کیجیے مرشد کی پرستش نہ کیجیے۔ یہ عمل آپ کو ڈی ٹریک ہونے سے بچا لے گا۔"(۲۸)

اب تو وہ زمانہ پٹ چکا۔ آبادی کے بے تحاشہ اضافے کے پیشِ نظر ویرانیاں اور جنگلات ختم ہو چکے۔ اب ویرانی اور تنہائی کا گوشہ تلاشِ بسیار کے باوجود سے میسر نہیں آتا۔ اب اگر کوئی ویران اور بے آباد علاقے میں کچھ دیر قیام کرے اور اکیلا رہنا شروع کر دے تو ملک کی ایجنسیاں پہنچ جائیں گی اور اُسے دہشت گرد قرار دے کر اُس بچارے کی ساری فقیری نکال دیں گی۔ تنہائی، ویرانی اور

بے آباد جگہوں کو فقیر اور صوفی اپنا مسکن اس لیے بناتے تھے تاکہ آبادی سے دور تنہائی میں رب تعالیٰ کے دھیان گیان میں ہمہ وقت خود کو فنا کر سکیں۔ مشاہدہ کا یہ عمل یکسو ہو کر تنہائی میں ہوتا ہے ورنہ ارد گرد کی چیزوں کی موجودگی سے توجہ بٹتی ہے اور مقصد کا حصول مشکل ہو جاتا ہے۔

سید سرفراز اے شاہ نے تنہائی کے اس تصور کا بھی رد کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ "رب تعالیٰ کا قُرب حاصل کرنے کے لیے کسی ویران اور بے آباد جگہ کو مسکن بنانا ضروری نہیں ہے بلکہ جہاں ذرا تنہائی اور یکسوئی میسر آجائے وہیں رب کو یاد کر لیا جائے، مشاہدہ کر لیا جائے اور عبادت و ریاضت سے رب تعالیٰ کی طرف توجہ لگائی جائے۔ اس عمل سے بھی رب تعالیٰ کا قُرب مل جاتا ہے"۲۹۔ رب تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے؛ اُسے کسی ایک مخصوص جگہ پر تلاش کرنا تو گویا خدا کو ایک سمت تک محدود کرنا دینا ہے۔ یہ عمل اپنے اندر کفر کی لَے لیے ہوئے ہے۔ تصوف کی راہ میں ایک سالک کے لیے سب سے پُرکشش اور طلسم آمیز چیز علم لدنی کا حصول ہے۔ بیشتر سالکین کی عمر بھر کی ریاضت اسی علم کے حصول میں صرف ہو جاتی ہے۔ "علم لدنی ایک خاص علم ہے جسے تمام علوم کی ماں سمجھا جاتا ہے"۳۰۔ علم لدنی کے بارے میں صوفیا کے ہاں قسم قسم کے تصورات پائے جاتے ہیں۔ صوفیا کی ایک جماعت اسے کسبی علم قرار دیتی ہے، کسی کے نزدیک یہ وہبی عطا ہے اور کوئی اسے میراث کی طرح منتقل ہونے کے سلسلے سے مشروط کرتا ہے۔

علم لدنی کا علم دُنیا و مافیہا اور کائنات و ماورائے کائنات کی ہر چیز کے بارے میں کلی معلومات کا گنج ہائے گراں مایہ ہے۔ زمین میں چھپے خزانے ہوں یا پہاڑوں میں موجود معدنیات، ہزاروں برس کے گزرے واقعات ہوں یا سیکڑوں برس بعد میں آنے والے معاملات؛ ان سب سے یکساں آشنائی اس علم کے ذریعے ممکن ہے گویا یہ اسمِ اعظم ہی ہے ایک طرح سے۔ سید سرفراز اے شاہ علم لدنی کے اس رائج تصور سے اپنی جدا رائے رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے:

> "علم لدنی سیکھنے کا علم سکھانے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ یہ کلیتاً رب کی عطا ہے۔ اس کے حصول کی سب سے اچھی حکمت عملی یہی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ کی نقل کر لی جائے۔ اس سے روحانیت آجائے گی اور روحانیت آجانے سے علم لدنی خود بخود عطا ہو جائے گا"۔ (۳۱)

پاکستانی معاشرے میں دُعا کے تصور کے اتنے شیڈ ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ دُعا ہے کیا چیز اور اس سے کیا کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ دُعاؤں کے لیے فقیروں، صوفیوں اور درویشوں کے پاس لائن لگی رہتی ہے جیسے بجلی کا بل جمع کروانے والوں کا جمِ غفیر بینک کے باہر موجود ہوتا ہے۔ پاکستانی معاشرے میں ہر چیز کا عجیب و غریب حلیہ اور ناک نقشہ موجود ہے۔ یہاں کسی چیز، رجحان، عمل سے متصل تصور، وہم، خیال، سوچ، نظریہ، رائے کی قطعیت، اصلیت اور متعینت کی اصالت اور کھوٹ کو دیکھنے کا کوئی پیمانہ ہی موجود نہیں ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ راہ میں چلتا ہوا ایک شخص اچانک رُک کر آسمان کی طرف دیکھنا شروع کر دے۔ دو منٹ میں پچاس لوگ اپنی موٹریں روک کر آسمان کی طرف دیکھنے لگ جائیں گی۔ تقلید پرستی کا عجیب و غریب سوقیانہ اور جاہلانہ نظام ہمارے ہاں اس شدت اور قطعیت سے موجود ہے کہ جس کی زہرناکی نے پاکستانی معاشرت کا جنازہ نکال دیا ہے۔

دُعا کے معاملے میں بھی ہمارا رویہ ایسا ہی ہے۔ ہر چیز کے لیے دُعا ضرور کروانی ہے۔ پاس ہونے کے لیے، فیل ہونے کے لیے، رشتہ دیکھنے کے لیے، رشتہ توڑنے کے لیے، چھوٹے قد کے لیے، بڑے قد کے لیے، صحت کے لیے، بیمار ہونے کے لیے۔ دُعا گویا ایک مذاق ہے جو ہر آدمی دوسرے سے کرتا پھر رہا ہے۔ سید سرفراز اے شاہ دُعا کے بارے میں نہایت لطیف اور قابلِ عمل اور مقبولِ بارگاہ طریقہ بتلاتے ہیں:

"ہم رب کو اپنی مادری زبان میں جس محبت سے پکار سکتے ہیں وہ رٹی رٹائی ہوئی دُعاؤں سے نہیں ہو سکتا۔ دُعا کے لیے ضروری ہے کہ ہمارا دل، زبان اور ذہن تینوں ایک ہی وقت میں ایک ہی جذبے کے ساتھ یکسو ہو کر اللہ کے حضور دُعا کریں۔ جب انسان رب تعالیٰ کے عشق میں ڈوب جاتا ہے تب وہ اپنے رب کے ساتھ مکالمہ کرتا ہے؛ دُعا نہیں کرتا۔ وہ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتا ہے تو سب کچھ مانگنا بھول جاتا ہے، اُسے یاد رہتا ہے تو بس اتنا کہ یارب! تو مجھے کب؟ وہ دُعا کے وقت رب سے صرف اُسی کو مانگتا ہے، اُس کا قُرب مانگتا ہے اور اُس کے دیدار کی تمنا کرتا ہے، وہ رب کو اپنا رازداں، اپنا دوست اور اپنا محبوب جان ک راپنے دل کا حال اُسی سے کہتا ہے اور بڑے مان سے اُسے پکارتا ہے اور بے شک رب تعالیٰ اپنے بندوں کا مان رکھنے والا ہے اور رکھتا ہے اور دُعائیں قبول کرتا ہے۔"(۳۲)

تصوف انسان کو بندگی سکھاتا ہے۔ تصوف انسان کو دین کی عملی راہ سجھاتا ہے۔ تصوف انسان کو جہالت سے روشنی کی طرف لاتا ہے۔ تصوف انسان کو وجدانی کی ادراکی حِس عطا کرتا ہے۔ تصوف انسان کو رب تعالیٰ کی آشنائی سکھاتا ہے۔ تصوف انسان کو جنت و دوزخ کے حصول سے ماورا کر دیتا ہے۔ تصوف انسان کو شریعت سے طریقت اور طریقت سے حقیقت اور حقیقت سے معرفت تک کا سفر کرواتا ہے۔ تصوف انسان کو ڈی ٹریک ہونے سے بچاتا ہے۔ تصوف انسان کی دنیا اور دین میں توازن کے تسلسل کا قرینہ سکھلاتا ہے۔

تصوف انسان کی مجموعی عادات و افکار اور تصورات و نظریات کی از سرِ نو توضیح کرنے اور ڈی کنڈشنگ کرنے پر مہمیز کرتا ہے۔ تصوف کوئی طلسمی، دیومالائی اور مافوق الفطرت حرکات و سکنات کا ڈسکورس نہیں بلکہ یہ ایک مسلمان کو رب تعالیٰ کے حقیقی عرفان کے گیان کے حصول میں مدد فراہم کرتا ہے۔ خواجہ فرید الدین عطار نے **تذکرہ اولیا** میں صوفیا کے تصوف کے بارے میں بارے میں نظریات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے اور یہ بتلاتا ہے کہ صوفیا کے نزدیک جنت کی خواہش اور دوزخ سے دوری کے حوالے سے کوئی تاثر موجود نہیں بلکہ اس ضمن میں **رابعہ بصری** کا مشہورِ زمانہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے:

"ایک بار رابعہ بصری ایک ہاتھ میں آگ اور دوسرے میں پانی لیے بازار میں تیزی سے گزر رہی تھیں۔ کسی نے سبب پوچھا۔ کہنے لگیں: میں اُس جنت کو آگ لگانے جا رہی ہوں جس کے لالچ میں لوگ عبادت کرتے ہیں اور اُس جہنم کو بجھانے جا رہی ہوں جس کے خود سے لوگ اللہ کو پکارتے ہیں"(۳۳)

یہ عمل خالصتاً اللہ کی محبت کا عمل ہے۔ اسی لیے حضرت **سلطان باہو** نے فرمایا تھا کہ "حضرت رابعہ بصری مقامِ فقر پر فائز تھیں"۔۳۴ پاکستانی تصوف میں جس عنصر نے اسے بہت نقصان پہنچایا وہ وظائف کا تصور ہے۔ راہ سلوک کی ساری منزال انھیں وضائف کی مرہونِ منت تصور کی جاتی ہیں۔

یہ تصور صدیوں سے رائج ہے کہ ایک مرید جب کسی پیر کے ہاتھ پر بیت کرتا ہے تو مرشد اسے ایک خاص لفظ عطا کرتا ہے جسے وہ ہر وقت پڑھتا رہتا ہے اور ایک مدت بعد اس کی سبھی خواہشات پوری ہو جاتی ہیں۔ ان خواہشات میں جنت کی گارنٹی سمیت دنیاوی مال و منال کے جملہ سامانِ آرائش کا نگار خانہ بھی موجود ہوتا ہے۔ یہ تصور باطل اور مبنی بر جہالت ہے۔ مرید اور مرشد کے

درمیان شریعت پر عمل پیرا ہونے کے سوا کوئی اور معاہدہ طے نہیں ہوتا۔ روحانی معاملات میں کچھ واردات کے پیشِ نظر مرشد اپنے مرید کی راہنمائی ضرور کرتا ہے تاہم یہ مرحلہ لاکھ مریدین میں چند ایک کو لاحق ہوتا ہے۔ یہ ایسی راہ ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک لاکھ انسان راہِ فقر پر ایک ساتھ چلیں تو منزل پر پہنچنے والے دو، چار ہی سلامت رہتے ہیں باقی سب راہ کی تنگی، مشکلات اور آزمایشوں سے جی ہار کر پیچھے رہ جاتے ہیں اور اس راہ سے خود کو الگ کر لیتے ہیں۔ سید سرفراز اے شاہ وظائف کے حوالے سے سخت تنقید کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ "میں اوائلِ جوانی میں چالیس بیالیس وظائف دن میں اور چالیس بیالیس رات میں کیا کرتا تھا اور اس کے علاوہ بھی کچھ نہ کچھ پڑھتا رہتا تھا لیکن کہیں پہنچا نہیں تھا۔ مرشد سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے مجھ سے دفعتاً سبھی وظائف ترک کروادیئے اور کہا کہ کچھ بھی نہ پڑھو۔ ان وظائف سے کچھ حاصل نہیں ہو گا بلکہ اُلٹا تمہارا نقصان ہی ہو گا کہ تمہیں معلوم نہیں کہ تم کیا پڑھتے ہو اور اس کے کیا منفی اثرات تمہاری طبیعت، ذہن اور روح پر پڑتے ہیں"۳۵۔ سید سرفراز وظائف کے حوالے سے اپنی رائے یوں بیان کرتے ہیں:

> "اولیائے اکرام پریشانیوں سے نجات اور دُنیاوی اغراض کے حصول کے لیے کیے جانے والے وظائف کی عموماً حوصلہ شکنی کرتے تھے۔ اللہ کو راتوں کو اُس کی یاد میں جاگنے والے لوگ بے حد پسند ہیں نہ کہ دنیاوی خواہشات کے حصول میں وظائف پڑھنے والے۔ دنیاوی مقاصد کے حصول کے لیے وظیفہ کرنا بالکل ایسے ہے جسے ایک آجر نے مزدور سے کام لیا اور اس کی تنخواہ دے دی۔ مزدور نے محنت کی اور اس کا معاوضہ وصول کر لیا۔ اب نہ آجر کا مزدور پر کوئی احسان ہے او رنہ مزدور کا آجر پر کوئی احسان"۔(۳۶)

پاکستانی تصوف میں عُرس کا کلچر تیزی سے عام ہو رہا ہے۔ برصغیر میں بھی صوفیا، فقرا اور درویشوں کے مزارات پر صدیوں سے عروس ہو رہے ہیں۔ ان عروس میں ہونے والی جملہ حرکات و سکنات غیر شریعی اور مبنی بر جہالت ہیں۔ بزگان کی قبور پر غسل دینا اور پھر اس غسل کے ساتھ منسلک دنیاوی رسوم کی ادائیگی سے جو بے ادبیاں اور بے حجابیاں اور بدعات ہوتی ہیں اُسے صاحبِ مزار کی شخصیت اور جملہ احوال پر شک ہونے لگتا ہے کہ موصوف کی اپنی زندگی بھی کیا اسی طرح کے شغل میں گزری تھی کہ بعد از مرگ اس کی قبر پر یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ عرس کی حقیقت اور اس کا پس منظر کیا ہے اور یہ کب شروع ہوا اور عہدِ حاضر میں اس کی موجودہ صورتحال کیا ہے اور کیا عرس اب صحیح معنوں میں صوفی ازم کے فروغ میں کوئی مثبت کردار ادا کر رہا ہے یا محض رسومات کا گورکھ دھندہ اور کمائی کا ذریعہ بن کر رہ گیا ہے۔ اس کے بارے میں سید سرفراز اے شاہ کہتے ہیں:

> "عرس کے تصور کے پیچھے بھی غالباً ایک خیال یہ رہا ہو گا کہ صاحب مزار جو ساری زندگی لوگوں میں علم اور فیض بانٹتے رہے۔ اُن کے عقیدت مند چونکہ سارے ملک اور دُنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلے ہوئے ہیں لہذا اُن عقیدت مندوں نے اُن بزرگ کے وصال کے بعد یہ راہ نکالی کہ ہر سال کسی ایک جگہ اکھٹے ہو کر اُن کے لیے قرآن خوانی کی جائے۔ اظہارِ تشکر کے طور پر فاتحہ خوانی کے ذریعے ان کی روح کو ایصالِ ثواب کیا جائے۔ اُن بزرگ کے اقوال، تعلیمات، علم، مشاہدات اور واردات کا ذکر کیا جائے۔ اپنا علم اور مشاہدہ ایک دوسرے سے شئیر کیا جائے تاکہ علم سینہ بہ سینہ پھیلتا چلا جائے۔ چوں کہ گھر پر اتنی بڑی تعداد میں اکھٹے ہونا قدرے مشکل تھا لہذا ر صاحبِ

مزار کی قبر پر اکھٹے ہونا زیادہ مناسب سمجھا گیا لیکن بعد ازاں اس میں بھی بہت سی غیر اسلامی چیزیں شامل ہوتی گئیں۔ اگر اصل مقاصد کو سامنے رکھ کر عرس منایا جاتا تو یہ بہت اچھا تھا لیکن افسوس! عرس اب رسومات کے مجموعے کے سوا کچھ نہیں"(۳۷)

راہِ سلوک میں ایک سالک کے پیشِ نظر کیا احکامات ہوتے ہیں یعنی وہ کون سا ڈسکورس ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ایک سالک فنا فی اللہ کی منزل کو حاصل کر لیتا ہے۔ اس حوالے جملہ صوفیا کے ہاں مختلف ڈسکورس ملتے ہیں جن کی تعین اور قطعیت کے بارے میں سند کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

"برصغیر میں صوفیا کے چار مشہور مسالک ہیں جن میں قادری، چشتی، سہروردی اور نقشبندی شامل ہیں۔ ان سلاسلِ فقر کی آگے مزید ضمنی کئی شاخیں ہیں"(۳۸)

تصوف کا یہ نظام دراصل کئی کہکشاؤں کا نگار خانہ ہے جس پر کوئی دسترس قریباً ناممکن ہے۔ ان سلاسلِ طریقان کے ہاں تصورات و نظریات کا ایک بُعد نظر آتا ہے۔ **وحدت الوجود، وحدت الشہود** کے حوالے سے ان میں ایسا ایسا اور قسم قسم کا اختلاف رہا ہے کہ ہزاروں مریدین کی جانیں اس خون خرابہ میں گئیں ہیں۔ جس طرح فِق کے مسائل کی توضیحات میں **سنی، شعیہ، وہابی** اور **دیوبندی** کے ہاں نزاعات صدیوں سے موجود ہے جس کا کوئی حل نہیں ہے اسی طرح صوفیا کے طُرق اور سلاسل میں بھی اختلاف موجود ہے۔ پاکستانی تصوف اور تصوف کے جملہ تصورات کے حوالے سے سید سرفراز اے شاہ کا کردار کلیدی ہے۔ سید سرفراز اے شاہ نے صدیوں سے رائج متصوفانہ افکار پر کاری ضرب لگائی ہے اور دینِ محمدی کی اصل روح سے منسوب تصوف کی اوریجنل شکل ہمارے سامنے لا کھڑی کی ہے۔ یہ وہ آئینہ ہے جس میں ہم اپنے آپ کو دیکھ سکتے ہیں اور اپنا محاسبہ اور احتساب کر سکتے ہیں۔

اس مقالہ کو سید سرفراز اے شاہ کے روحانی ڈسکورس یعنی راہِ فقر میں سالک کے لیے 29 احکامات پر عمل پیرا ہو کر فنا فی اللہ کی منزل تک پہنچنے کے طریق پر روشنی ڈالتے ہوئے ختم کرتا ہوں۔ یہ ۲۹ احکامات وہ ہیں جن کی پابندی سے ایک عام انسان یعنی مسلمان کلمہ گو رب تعالیٰ کے حقیقی عرفان کا نہ صرف گیان پا سکتا ہے بلکہ دین اور دنیا میں بہترین توازن قائم کر سکتا ہے اور مثالی شخصیت کا تصور بھی دوسروں کے سامنے آشکارا کر سکتا ہے۔ یہ ۲۹ احکامات دراصل سید سرفراز اے شاہ کے طریقہ فقر کا میمورنڈم ہے جس کی پابندی راہِ فقر کی کامیابی کی دلیل ہے۔

یہ وہ 29 احکامات ہیں جو حضور اکرمؐ کو معراج کی رات رب تعالیٰ کی طرف سے بطور تحفہ عنایت ہوئے تھے۔ ان احکامات کو سید سرفراز اے شاہ نے راہِ فقر کا چارٹر قرار دیا ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ اگر مسلمان ان ۲۹ احکامات پر عمل پیرا ہو جائے تو رب تعالیٰ کی خشنودی اور حضور اکرمؐ کی شفاعت سے کسی صورت محروم نہیں ہو سکتا۔

"۱۔ رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ ۲۔ توحید پر قائم رہا جائے۔ ۳۔ اپنی نیت کو درست رکھا جائے۔ ۴۔ ایمان اور ایثار پر قائم رہا جائے۔ ۵۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد پر قائم رہنا۔ ۶۔ قرآن پاک کو تھامے رہنا۔ ۷۔ ہر وقت رب تعالیٰ کی طرف رجوع کیا جائے۔ ۸۔ شرک اور کفر کو آپس میں مدغم یعنی مکس نہ کیا جائے۔ ۹۔ عدل سے کام لیا جائے۔ ۱۰۔ حلال اور حرام کو ایک دوسرے سے مکس نہ کیا جائے۔ ۱۱۔ حسد، کینہ اور بغض نہ رکھا جائے۔ ۱۲۔ زمین پر سیدھے ہو کر چلا جائے تاکہ ناز و انداز اور لٹک مٹک سے غرور، تکبر اور کینہ پیدا نہ ہو۔ ۱۳۔ اللہ کے حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھا جائے۔ ۱۴۔ اپنی اور دوسروں کی آبرو کا خیال رکھا جائے۔ ۱۵۔ ماں باپ کی فرماں برداری، اطاعت اور عزت کی جائے۔ ۱۶۔ بلند آواز میں گفتگو نہ کی جائے۔ ۱۷۔ سوچ کو پاکیزہ اور چلن

کو درست رکھا جائے۔ ۱۸۔ بدترین حالات میں بھی تواضع کو ہاتھ سے نہ جانے دیا جائے۔ ۱۹۔ خرافات اور خمریات سے بچنا۔ ۲۰۔ علم حاصل کرنا۔ ۲۱۔ امانت میں خیانت نہ کرنا۔ ۲۲۔ منافقت سے گُریز کرنا۔ ۲۳۔ نفس کی پیروی نہ کرنا۔ ۲۴۔ ظاہری و باطنی پاکیزگی و صفائی کو قائم رکھنا۔ ۲۵۔ کسی بھی شخص کو بُرے نام و القاب سے نہ پکارنا۔ ۲۶۔ تاک جھانک اور محفل میں سرگوشیوں سے پرہیز کرنا۔ ۲۷۔ بلاخوف حق کی بات کرنا۔ ۲۸۔ وعدہ کی پابندی کرنا۔ ۲۹۔ ہر ایک کی پردہ داری کرنا۔"(۳۹)

اکیسویں صدی میں جہاں دُنیا گلوبل ویلج میں تبدل ہوگئی۔ ہر چیز کا طریقہ کار بدل گیا۔ لوگ مینول سے ڈجٹلائز ہو گئے۔ آئی ٹی نے ایجادات اور دریافتوں کا ایسا طلسم پیدا کیا ہے کہ ہر چیز اب سیکنڈ میں ترسیل و ابلاغ کا مقدمہ بن گئی ہے۔ انسانی زندگی کا پورا پیراڈائم گویا تبدیل ہو کر رہ گیا ہے۔ اکیسویں صدی میں انسانی زندگی کا پورا ڈسکورس بدل چکا۔ اگر نہیں بدلا تو تصوف کے قدیم تصورات نہیں بدلے بلکہ مرورِ وقت کے ساتھ اس میں بدعات و خرافات کا اضافہ دیکھنے میں آیا ہے۔ وہ بزرگ جو صدیوں پہلے یہاں آئے اور انھوں نے اپنی پوری زندگی دین کی درست تعبیر اور شرع کے احکامات کی صحیح توضیح میں صرف کر دی؛ آج ان کی تصانیف میں اس قدر حذف و اضافہ ہو چکا کہ کچھ بھی قطعیت سے سندی اعتبار سے کہیں درج و ظاہر و ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

ان بزرگانِ دین کی اُولادیں نافرمان، مادہ پرست اور دنیادر ہو گئیں۔ اپنے بزرگوں کی قبور پر بیٹھ کر گدی کے لیے لڑتی مرتی اور مارتی ہیں۔ خانقاہوں کا تصور مٹ گیا۔ ڈیروں اور چبوتروں کا رواج ختم ہو گیا۔ سادگی اور زندہ دلی ختم ہو گئی۔ ہر طرف دنیاداری کا طلسم اپنی سحر کاریاں دکھاتا نظر آتا ہے۔ سوشل میڈیا پر مزارات کے حوالے سے ٹھٹھے اُڑائے جاتے ہیں۔ نوجوان نسل بے راہ روی کا شکار ہے اور ان کی تربیت کرنے والا اور انھیں راہِ راست پر لانے والے خود راستے سے بھٹک گئے ہیں ایسے میں تصوف کی روایت، غرض و غائیت اور اس کے اصل ڈسکورس پر از سرِ نو دریافت کون کرے اور یہ بتلائے کہ تصوف کا دین کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ صوفیا، فقرا اور درویشوں نے اسلام کی ترویج و تبلیغ اور اشاعت میں کیا کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ جہاں دیگر علوم و فنون میں تحقیق کا رجحان بڑھ رہا ہے وہاں تصوف کے جملہ تصورات کے حوالے سے از سرِ نو تحقیق کا کام شروع کیا جائے۔ عربی، فارسی، اُردو اور پنجابی میں موجود متصوفانہ روایت کو سخت تنقیدی معیارات سے پرکھ کر اصالت اور کھوٹ کو الگ کیا جائے۔ مشہور صوفیا کی تصانیف و ملفوظات میں حذف و اضافہ اور ترمیم و تنسیخ کی پرکھ سے ٹٹول کر الگ کیا جائے۔ جو درست، قطعی اور مبنی بر حقیقت ہے؛ اِسے سامنے لایا جائے اور عملی شکل میں اس کی ترویج کا اہتمام کیا جائے۔

سید سرفراز اے شاہ صاحب کی شخصیت اور کام اس معیار کا ہے کہ انھوں نے صدیوں سے پڑی گرد کو متصوفانہ تصورات سے ہٹایا اور اسلام کی عین روح اور قطعی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے اصل تصوف کا تصور اپنے لیکچرز اور تصانیف میں پیش کیا جس سے ہزاروں افراد مستفید ہو رہے ہیں۔ یہ عمل جاری رہنا چاہیے۔ اس کی فی زمانہ ناگزیر ضرورت ہے۔ قیوم نظامی نے سید سرفراز اے شاہ کے بارے میں لکھا:

> "جو لوگ عبادات کی حکمت، فلسفہ سے آگہی اور روحانی دُنیا کے مقامات سے آشنا ہونا اور اپنے من کی دُنیا کو اُجال کر اپنے رب کو پانا چاہتے ہیں، اُن کے لیے کہے فقیر کا مطالعہ ضروری ہے"۔(۴۰)

سید انور قدوائی نے لکھا:

> "کہے فقیر میں پہلی بار تفصیل سے تصوف، روحانیت، کشف اور مراقبہ، مرشد اور مرید کے حوالے سے سہل اور آسان زبان میں اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے کہ عام آدمی اس پر عمل کر کے

رب تعالیٰ کی قُربت حاصل کر سکتا ہے۔یہ ایسی کتاب ہے جو روحانی تشنگی کو تسکین بخشتی ہے۔"(۴۱)

مختصر یہ کہ پاکستان میں تصوف کے حوالے سے جو کام سید سرفراز اے شاہ نے کیا ہے۔ان کا یہ کردار ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ پاکستان میں رائج تصوف کے جملہ تصورات کو سید سرفراز اے شاہ نے اپنے ۴۰۷ آڈیو لیکچرز اور سات کتب میں جس سہل، آسان، رواں اور شگفتہ انداز میں بیان کیا ہے۔اس سے تصوف کے جملہ موضوعات کی نہ صرف توضیح سامنے آئی ہے بلکہ متصوفانہ فکر سے متصل اندیشوں، بدگمانیوں اور بدعات کا رَد بھی ہوا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر، تصوف اور تصوراتِ صوفیا، سیٹھی پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص:۴۱

۲۔ ایضا، ص:۴۱

۳۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، علامہ، حقیقتِ تصوف، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴، ص:۱۲

۴۔ صباح الدین عبد الرحمان، سید، بزمِ صوفیا، بک سٹی، لاہور، ۲۰۱۵ء ص:۲۱

۵۔ بشیر احمد ڈار، تاریخ تصوف (قبل از اسلام، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص:۸۱

۶۔ محمد امین، ڈاکٹر، مقالاتِ تصوف، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۸ء، ص:۷۵

۷۔ خلیق احمد نظامی، احوال واثار شیخ فرید الدین مسعود گنج شکر (مترجم: قاضی محمد حفیظ اللہ)، مکتبہ جمالیہ، لاہور، ۱۹۸۳ء ص:۶۶

۸۔ نذیر احمد، ڈاکٹر، کلامِ بلھے شاہ (مرتب)، پیکیجز، لاہور، ۱۹۷۶ص:۳۶

۹۔ حضرت سلطان باہو، ابیاتِ باہو (مرتبہ)، سلطان الطاف علی، سلطان باہو پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص:۵۶

۱۰۔ میاں محمد بخش، سیف الملوک (مرتب)، اختر جعفری، ڈاکٹر)، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص:۸۹

۱۱۔ طاہر تونسوی، ڈاکٹر، فرموداتِ فرید (ملتان: سرائیکی ادبی بورڈ، ملتان، ۲۰۰۶ء، ص:۱۷

۱۲۔ سید سرفراز اے شاہ، کہے فقیر، جہانگیر بک ڈپو، لاہور، ۲۰۱۴ء، فلیپ

۱۳۔ https://www.youtube.com/watch?v=oQeZp7YK_AI۔رجوع یکم۔ ستمبر ۲۰۲۳ء

۱۴۔ https://www.youtube.com/watch?v=-cUvPxI1uWs۔رجوع ۳۱۔اگست ۲۰۲۳ء

۱۵۔ https://www.youtube.com/watch?v=AMxnIT1RIp0۔رجوع یکم۔ ستمبر ۲۰۲۳ء

۱۶۔ سید سرفراز اے شاہ، کہے فقیر، جہانگیر بک ڈپو، لاہور، ۲۰۱۴ء، دیباچہ

۱۷۔ ایضا، ص:۱۵۹

۱۸۔ سید سرفراز اے شاہ، کہے فقیر، ص:۱۸

۱۹۔ ایضاً، ص:۱۶۱

۲۰۔ ایضاً، ص:۱۶۳

۲۱۔ ایضاً، ص:۲۰

۲۲۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، علامہ، حقیقتِ تصوف، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء ص:۴۸

۲۳۔ عبدالعزیز، صوفیانہ زندگی کا ایک ورق، مشمولہ https://mazameen.com/religion-2/tasawwuf/.html رجوع ۲۹۔اگست ۲۰۲۳ء

۲۴۔ سید سرفراز اے شاہ، کہے فقیر، جہانگیر بک ڈپو، لاہور، ۲۰۱۴ء ص:۲۶

۲۵۔ سید سرفراز اے شاہ، کہے فقیر، ص:۱۵

۲۶۔ ریاض السلام، پروفیسر، صوفیانہ ادب کے لیے ایک منہاج تحقیق کی ضرورت، مشمولہ، تصوف: برصغیر میں، (پٹنہ: خدا بخش لائبریری، ۱۹۹۲ء، ص:۴۴۱

۲۷۔ سید سرفراز اے شاہ، کہے فقیر، جہانگیر بک ڈپو، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص:۳۶

۲۸۔ ایضاً، ص:۳۹

۲۹۔ https://www.youtube.com/watch?v=ioN_kytggeY۔رجوع ۳۱۔اگست ۲۰۲۳ء

۳۰۔ طاہر القادری، ڈاکٹر، سلوک و تصوف کا علمی دستور، منہاج القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء ص:۶۳

۳۱۔ سید سرفراز اے شاہ، کہے فقیر، جہانگیر بک ڈپو، لاہور، ۲۰۱۴ء ص:۴۹

۳۲۔ ایضاً، ص:۶۶

۳۳۔ فرید الدین عطار، خواجہ، تذکرہ اولیا، الفاروق بک ڈپو، لاہور، ۱۹۹۷ء ص:۴۲

۳۴۔ سید سرفراز اے شاہ، کہے فقیر، جہانگیر بک ڈپو، لاہور، ۲۰۱۴ء ص:۶۷

۳۵۔ https://www.youtube.com/watch?v=Yj1NxZi39SE۔رجوع۔یکم ستمبر ۲۰۲۳ء

۳۶۔ سید سرفراز اے شاہ، کہے فقیر، جہانگیر بک ڈپو، لاہور، ۲۰۱۴ء ص:۸۳

۳۷۔ https://www.youtube.com/watch?v=JkTRMRfaZNk۔رجوع ۲۸۔اگست ۲۰۲۳ء

۳۸۔ ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر، تصوف اور تصوراتِ صوفیا، سیٹھی پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۸ء ص:۳۹

۳۹۔ سید سید سرفراز اے شاہ، کہے فقیر، جہانگیر بک ڈپو، لاہور، ۲۰۱۴ء ص:۱۳۸۔۱۴۸

۴۰۔ سید سرفراز اے شاہ، کہے فقیر، فلیپ

۴۱۔ ایضاً، فلیپ

References in Roman Script:

1. Zahir Ahmed Siddiqui ,dr, Tasawuf aur Tasawurat-e-Sofia , Sethi publishers, Lahore , 2008, p:41
2. Ibid, p:41
3. Tahir al-Qadri, dr, Allama, Haqeeqat tasawuf, Minhaj ul Quran, Publication,Lahore ,2014, p:12
4. Sabah Aldeen Abdul al - rahman, syed, bzmِ e Sofia , book city, Lahore , 2015,p:21
5. Basheer Ahmed dar, Tareekh-e-Tasawuf (Qabal az Islam), Idaara Saqafat Islamia, Lahore 2017,p81

6. Mohammad Amin, dr, Maqalat-e-Tasawuf, Idaara saqafat islamia, Lahore, 2018,p:75
7. Ahmed Nizami , Ahwaal-o-Aasar Sheikh fareed Aldeen Masood Ganj shakar (Mutrajim : Qaazi 8.Mohammad Hafeez Allah), Maktaba Jamlia, Lahore, 1983,p:66
9. Nazeer Ahmed , dr, Kalaam Parthenina blhe Shah (Muratab),packages, Lahore,1976,p36
10. Hazrat Sultan Bahoo , Abyat Bahoo (Martaba), Sultan Altaf Ali , Sultan Bahoo publishers, Lahore ,2008,p:56
11. Miyan Mohammad Bakhash, Saif-Ul- Mlook (Muratab), Akhtar Jafferi , dr), Idara Saqafat-e-Islamia, Lahore 2016,p:89
12. Tahir Tonsoy, dr, Frmodat Fareed (Multan : Saraiki Adbi Board, Multan , 2006,p:17
13. Syed Sarfraz A Shah , Kahe Faqeer, Jahangir Book Dipo, Lahore , 2016,flap
14. https : / / www. youtube. com / watch? v = oqezp7yk_ai,vist,sep,2023
15. https : / / www. youtube. com / watch? v = -cuvpxi1uws. rujoo visit, sep,2023
16. https : / / www. youtube. com / watch? v = amxnit1rip0,visit,sep,2023
17. Syed Sarfraz A Shah , Kahy-e- Faqeer, Jahangir Book Dipo, Lahore , 2016, Debacha.
18. Ibid, p:159
19. Syed Sarfraz A Shah , Kahy-e-Faqeer,p:18
20. Ibid, p:161
21. Ayzan,p:163
22. Tahir -ul-Qadri, dr, Allama, Haqeeqat Tasawuf, Minhaj-ul-Quran Publication, Lahore , 2016,p68
23. Abdul Aziz, Sufiyana Zindagi Ka Aik Waraq, (Mashmola),https : / / mazameen.com / religion-2 / tasawwuf /. html. Visit,29,august,2013
24. Syed Sarfraz A Shah , Kahy –e-Faqeer, Jahangir Book Dipo, Lahore , 2016,p:29
25. Syed Sarfraz A Shah , Kahy-e-Faqeer,p:15
26. Riaz Salam, professor, Sufiyana Adab Ke Liye Aik Minhaj Tehqeeq ki Zaroorat, mashmola, tasawuf : bar e sagheer mein, (Patna : kkhuda bakhash library,1992,p:661
27. Syed Sarfraz A Shah , Kahy-e-Faqeer, Jahangir book depo, Lahore , 2016,p:39
28. Ibid,p:39
29. https : / / www. youtube. com / watch? v = ion_kytggey. Visit,31,august,2013
30. Tahir-ul-Qadri, dr, Sulooq –o-Tasawuf Ka Ilmi Dastoor, Minhaj al Quran Publication, Lahore , 2016,p:63

31. Syed Sarfraz A Shah , Kahy-e-Faqeer, Jahangir book depo, Lahore ,2016,p:69
32. Ibid,p:66
33. Fareed-u-deen Attaar, Khwaja, Tazkara-ul-Oliya , Alfaroq Book Dipo, Lahore,1997,p:42
34. Syed Sarfraz A Shah , Kahy-e-Faqeer, Jahangir book depo, Lahore, 2016,p:67
35. https : / / www. youtube. com / watch? v = yj1nxzi39se,visit,sep,2023
36. Syed Sarfraz A Shah , Kahy-e-Faqeer, Jahangir book depo, Lahore,2016,p:83
37. https : / / www. youtube. com / watch? v = jktrmrfaznk,visit,28,august,2023
38. Zahir Ahmed Siddiqui , dr, tasawuf aur tasawurat Sofia , sethi publishers, Lahore ,2008,p39
39. Syed syed Sarfraz A Shah , Kahy-e-Faqeer, Jahangir book depo, Lahore, 2014,p,138-148
40. Syed Sarfraz A Shah, Kahy-e-Faqeer,flap
41. Ibid, flap